ہلدرناگ

ہلدر، گلی میں سویا ہوا تھا، کوئی ڈیڑھ دو بجے کا وقت تھا۔ضلع بارگڑہ کا ڈپٹی کمشنر، سرکاری گاڑی میں اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ پولیس کمشنر اور تمام اہلکار بھی، اس غریب آدمی کی تلاش میں ہلکان تھے۔ اتفاق سے، بازار میں ایک ریڑھی والا، چنے بیچ رہا تھا۔ اہلکاروں نے پوچھا کہ ہلدر کہاں ملے گا۔ چنے فروش کو کچھ پلے نہیں پڑا۔ اس جگہ پر سیکڑوں ہلدر ہیں۔ آپ کس ہلدر کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ سرکاری ملازموں کے لیے یہ ایک نئی مشکل تھی۔ ڈپٹی کمشنر سے پوچھا کہ جناب یہاں تو گلیوں میں اس نام کے ان گنت لوگ موجود ہیں۔

اس نے سوچ کر جواب دیا کہ ہلدر جو شاعر ہے اس کو تلاش کرنا ہے۔ سرکاری ملازمین کے پاس ایک حوالہ تھا۔ دوبارہ اس ریڑھی والے کے پاس گئے۔ پوچھا کہ ہمیں اس ہلدر کی تلاش ہے جو شاعر ہے۔ جواب آیا کہ آپ اس کوی کو تلاش کر رہے ہیں، وہ تو ساتھ والی گلی میں اپنی چھوٹی سی دکان کے تھڑے پر سویا ہوگا۔ ڈپٹی کمشنر کو وائرلیس پر بتایا گیا۔ خود تھڑے پر گیا۔ وہاں، کالے رنگ کا ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا شخص، میٹھی نیند سو رہا تھا۔ اسے جگایا گیا۔ دریافت کیا کہ آپ کا نام ہی ہلدر ہے۔ جی میرا نام ہی ہلدر ناگ ہے۔ کیا آپ شاعر ہیں۔

جی جناب مقامی زبان میں کچھ لکھ ہی لیتا ہوں۔ آپ کو، ہندوستان کے صدر نے یاد کیا ہے۔ اور آپ کو پدما شری ایوارڈ دینے کا حکم جاری کیا ہے۔ ہلدر بھونچکا رہ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ملک کا صدر، اس سے ملنے کا خواہش مند ہے اور اسے قومی اعزاز سے نوازنا چاہتا ہے۔ پر یہاں سے ایک اور مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ ہلدر، صرف بغیر بازوؤں کی سفید بنیان اور لنگی پہنتا تھا۔ زندگی میں کبھی جوتے نہیں پہنے تھے۔ ننگے پیر پھرتا تھا۔ بہت سمجھایا گیا کہ صدارتی تقریب میں اہم ترین لوگ موجود ہوں گے۔

آپ کا اس طرح قصر صدارت میں جانا مناسب نہیں ہے۔ مگر شاعر نے جواب دیا کہ وہ اس لباس کے سوا کچھ بھی نہیں پہنتا، اور یہی اس کا اصل پہناوہ ہے۔ اگلے دن، صبح سرکاری جہاز آیا۔ ہلدر، بنیان اور لنگی میں ملبوس ننگے پیر سوار ہوا۔ دہلی لے جایا گیا۔ قصر صدارت میں ٹھہرایا گیا۔ اگلے دن، ہندوستان کا بڑا ایوارڈ ''پدما شری'' سے نوازا گیا۔ اس تقریب کی تصاویر جب شایع ہوئیں تو لوگ ششدر رہ گئے۔

ہندوستان کا صدر، ایک دھوتی بنیان میں ملبوس انسان کو، بہت احترام سے ایوارڈ پیش کر رہا تھا۔ اس طرح جیسے کہ یہ اس ایوارڈ کی عزت نہیں، بلکہ اس شخص کا احترام ہو، جسے یہ دیا جا رہا ہے۔ سب کے ذہن میں سوال تھا کہ یہ عجیب حلیہ والا میلا کچیلا شخص کون ہے؟ آپ کے ذہن میں بھی یہی سوال ہوگا۔ کچھ عرصہ پہلے میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ مگر جب اس معمولی سے شخص کی شاعری پڑھی، تو حیران رہ گیا۔ یہ آج کا بلھے شاہ نظر آیا۔ اور ایسے لگا کہ یہ ''رومی'' کی سطح کی باتیں کر رہا ہے۔

ناگ، 1950 میں بارگڑھ ضلع کے ایک گاؤں گینس میں پیدا ہوا۔ گاؤں صرف تین ہزار لوگوں پر مشتمل تھا۔ حد درجہ غریب لوگ مکین تھے۔ مگر ان لوگوں میں آزاد فکر کی روانی تھی۔ 1857 میں اس گاؤں کے مفلس لوگوں نے، انگریزوں کو فنا کر کے رکھ ڈالا تھا۔ ہلدر چھوٹا سا تھا کہ والد فوت ہو گئے۔ چھ برس کی عمر میں گھر کو چلانے کی ذمے داری اس پر آن پڑی۔ مقامی حلوائی کی دکان پر، برتن دھونے کا کام شروع کر دیا۔ دو سال، برتن دھوتا رہا۔ گاؤں کے ''مکھیا'' نے جب اس کی غربت دیکھی، تو ترس کھا کر ایک نزدیکی ہائی اسکول میں لے گیا۔

آپ کا خیال ہوگا کہ وہ وہاں تعلیم حاصل کرنے گیا ہوگا۔ نہیں صاحب، اسے بڑے سرکاری اسکول میں باورچی تعینات کر دیا گیا۔ سارا دن، اساتذہ اور دیگر اسٹاف کے لیے کھانا بناتا، برتن صاف کرتا اور پھر اپنے ذہن اور تجربے سے زندگی کے متعلق سوچتا رہتا۔ سولہ برس، باورچی گری کرتا رہا۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسکول میں مزدوری کرنے والا شخص، اپنے ملک کا عظیم شاعر بنے گا۔ شدید غربت میں زندہ رہنے کے باوجود، مشاہدہ کی منزلیں، عبور کر رہا ہے۔ ناگ نے کسی سے، ایک ہزار روپیہ قرض لیا، ہائی اسکول کے نزدیک ایک اسٹیشنری کی دکان کھول لی۔ ساتھ ہی ساتھ، ایک ریڑھی پر مصالحے والے چنے بیچنے شروع کر دیے۔ وہ ایک معمولی سی زندگی گزار رہا تھا اور آج بھی اسی حال میں ہے۔ ہلدر ناگ کے گاؤں میں ایک بہت بڑا برگد کا درخت ہے۔ وہ اس کے سائے میں بیٹھ کر ابتدائی شاعری کرتا رہا۔ مقامی زبان میں لکھتا ہے جسے سنبھل پوری کہا جاتا ہے۔ اڑیسہ میں بولی جانے والی زبان، بہت مشکل بولی ہے۔ مگر ہلدر ناگ کی شاعری نے اس کی مشکل زندگی کی طرح، ہر غیر ممکن مسئلے کو ممکن بنا دیا۔

ابتدائی شاعری میں، ایک طویل نظم، اسی برگد کے درخت کے متعلق بھی ہے جس کے سائے نے اسے امر کر ڈالا۔ مقامی زبان میں اس کا عنوان ''ڈھوڈو برگچھ''، یعنی برگد کا درخت تھا۔ یہ ایک مقامی میگزین کی زینت بنی۔ اس ایک نظم کے خیالات نے ہلدر کو لوگوں کے سامنے، عظیم شاعر کے طور پر پیش کیا۔ چنے بیچتے ہوئے، ایک دن، ایک مداح آیا اور تعریفی جملے کہے۔ ہلدر نے جواب دیا کہ وہ زندگی کی اصل حقیقتوں اور سچائی کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس کے تمام الفاظ دراصل لوگوں کے لیے ایک پیغام ہیں۔ بنیادی طور پر ہلدر کی شاعری کی اساس، ظلم کے خلاف جدوجہد، قدرت کی آفاقیت اور سماج کی دشواریوں پر مشتمل ہے۔ بی بی سی نے اس کی زندگی اور شاعری پر ایک اول درجے کی ڈاکومنٹری بھی بنائی ہے۔ کوشش کیجیے کہ آپ اسے دیکھیں۔ تاکہ اندازہ فرما سکیں کہ زبان کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اصل جوہر، تو وہ پیغام ہے جو شاعر، اپنے الفاظ کو ترتیب کر کے لوگوں کو پہنچاتا ہے۔ 2020 میں اس کی تمام شاعری مشہور مترجم، دنیش کمار مالی نے ہندی زبان میں ترجمہ کی۔ اس طرح، وہ تمام ملک میں پڑھا جانے لگا۔ عظیم شاعر، گلزار نے، ایک مختصر فلم میں آٹھ منٹ تک ہلدر کی شاعری کا ہندی ترجمہ پڑھا جو پورے ملک میں مشہور ہو گیا۔ گلزار نے ہلدر کو اپنی جیب سے پچاس ہزار روپیہ بطور انعام بھی بھجوائے۔ سنبھل پور یونیورسٹی نے ہلدر کی تمام شاعری کو ایک کتاب کی شکل دے ڈالی ہے، اب وہ ان کے تعلیمی نصاب کا حصہ ہے۔

اس عوامی شاعر کی شاعری، اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی نے بھی ایم اے کے طلباء اور طالبات کے نصاب میں شامل کر دی ہے۔ اڑیسہ کی صوبائی حکومت نے ہلدر کے نام پر، اس کے گاؤں میں سنبھل پوری زبان پر ایک تحقیقی سینٹر بھی قائم کر دیا ہے۔ ہلدر ناگ آج ایک بین الاقوامی سطح کی شخصیت ہے۔ مگر وہ اسی طرح، چھوٹی سی دکان پر پینسلیں بیچتا ہے اور ریڑھی پر چنے فروخت کرتا ہے۔ اس کا لباس 2025 میں بھی بغیر بازوؤں کی سفید بنیان اور لنگی ہے۔ شہرت نے اس کو کسی طرح بھی نہیں بگاڑا۔

رومی، تیرھویں صدی کا شاعر تھا۔ اس کی شاعری کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ ''چراغ مختلف ہوتے ہیں، مگر ان کی روشنی بالکل ایک جیسی ہوتی ہے''۔ اب ذرا ہلدر ناگ کی شاعری کا ترجمہ پڑھیے۔ ''ہزاروں چراغ جلتے ہیں۔ ان کو گنا بھی جا سکتا ہے مگر ان سے نکلنے والی روشنی ایک جیسی ہی ہے''۔ ترجمہ صرف مفہوم بیان کر سکتا ہے کیونکہ میری نظر میں شاعری کا بالکل شعروں کے حساب سے ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔

دراصل، انسانی دماغ حد درجہ خوبصورت اور لازوال چیز ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انسانی فکر اور سوچ، زبان، مقام، خطے اور لہجے سے بلند تر ہے۔ انسانی محرومیاں بھی تقریباً یکساں ہی ہیں۔ جبر، ریاستی ظلم، ناانصافی، معاشرتی مجبوریاں، اور اس جیسے تمام عوامل، ہر خطے میں سوچنے اور لکھنے والے انسان کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں۔ اور وہ، ایک ہی مفہوم کی نثر اور شاعری کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی یہی معاملہ ہے۔ تخلیقی اعتبار سے یہاں اردو زبان میں زیادہ لکھا گیا ہے۔ مگر بلوچی، پنجابی، براہوی، سندھی، پشتو زبان میں لکھنے والے لوگوں نے بھی حق ادا کیا ہے۔ تخلیق کار، کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو۔ فلمیں بناتا ہو، ڈرامہ نگاری کرتا ہو، اداکار ہو، نغمہ گو ہو، کہانیاں لکھتا ہو، بلکہ یوں کہیے کہ کچھ بھی تخلیق کرتا ہو۔ وہ تمام منفرد مگر تقریباً ایک جیسی فکر کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں، لازم، فرق بھی ہے۔

ہونا بھی چاہیے مگر سوچنے والا، بہر حال، ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ اس کے لیے سرحدیں بے معنی ہیں۔ حکمران اس کے لیے صرف بے مقصد سے نام ہوتے ہیں۔ اگر وہ اصل فکر رکھتے ہیں تو ان کے لیے، دولت اور جاہ و حشم بھی بے اثر ہوتے ہیں۔ یہی لوگ، کسی بھی ملک یا معاشرے کے ماتھے کا جھومر ہوتے ہیں۔ یہ کسی بھی ملک کی آبرو کی مانند ہوتے ہیں۔ انسانی سوچ اتنی عظیم شے ہے کہ آپ لاکھ ظلم کریں مگر یہ ہر مصیبت کو عبور کر جاتی ہے۔ ہلدر ناگ نے ثابت کیا ہے کہ غربت، تعلیم کا نہ ہونا، وسائل کا محدود تر وجود، سب کچھ انسان کے ذہن کو مسخر نہیں کر سکتے۔ ہمارے ملک میں آپ کو اگر نئی فکر کے افراد ملیں، تو ان کی توقیر کیجیے۔ ہمارا اصل اثاثہ یہی خاص لوگ ہیں۔